65

اکرامِ ضیف

(فرمودہ ۵، دسمبر ۱۹۱۹ء)

حضور نے تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد آیات هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ○ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ○ فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ○ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ○ فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ ؕ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ○ فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ○ قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ○ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ○ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ○ (سورۃ الذٰریٰت: ۲۵ تا ۳۳) تلاوت کیں اور فرمایا کہ:

زمین پر جب سے کہ انسان کو خُدا نے پیدا کیا ہے۔ اسی وقت سے تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ فطرت انسانی میں اکرامِ ضیف کو رکھا گیا ہے اور بغیر کسی کسب کے۔ اور بغیر اس کے کہ کسی فلسفہ کے نتیجہ میں یہ خواہش پیدا ہو۔ قدیم زمانہ سے اور فلسفہ کی ایجاد سے پہلے علوم کی دریافت سے پہلے انسانوں میں اکرامِ ضیف اور مہمان نوازی کا دستور رہا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فطری تقاضہ ہے۔ جس طرح ماں باپ سے نیک سلوک کرنا۔ اور ماں باپ کا اپنے بچے سے محبت کرنا۔ اور جس طرح میاں بیوی کے تعلقات فطرت میں پیدا ہوتے ہیں اور کسی فلسفہ کا نتیجہ نہیں ہوتے۔ اور ہمیشہ سے انسان ایسا کرتا چلا آیا ہے اور کر رہا ہے اور کرتا چلا جائیگا۔ کوئی فلسفہ کوئی علم اس پر اثر نہیں کرسکتا، بلکہ اگر دیکھا جائے تو تمدن کا اس پر اُلٹا اثر پڑا ہے۔ نئی تہذیب نے محبت کو کم کیا ہے۔ زیادہ نہیں کیا۔ پس اگر فلسفہ کا اس پر کوئی اثر پڑا ہے تو وہ یہ ہے۔ کہ یہ باتیں پہلے سے کم ہوگئیں اس لیے ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ باتیں تمدن کا نتیجہ ہیں۔ یا کسی فلسفہ کے نتیجہ میں پیدا ہوئی ہیں۔ اگر یہ بات علوم سے پیدا ہوتی۔ تو قوانین کے مرتب ہونے سے بعد میں پیدا ہوتی، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ قوانین تمدن نے ان کو کم کیا ہے۔ وہ قومیں جن پر یورپ کا اثر ہے ان میں ماں باپ کی محبت کم ہوگئی ہے۔ پس تاریخ سے معلوم ہوتا ہے

کہ یہ بات پُرانی چلی آتی ہے اور فطرتی بات ہے کہ انسان مہمان نوازی کرتا ہے اور مہمان کا اکرام کرتا ہے۔

مَیں نے ابھی جو چند آیات پڑھی ہیں۔ان میں حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ کا حال بیان کیا گیا ہے اور وہ زمانہ ہزاروں سال کا زمانہ ہے۔جو موجودہ تہذیب کے قواعد کے ترتیب دیئے جانے سے بہت پہلے کا ہے۔پُرانا تمدن یونانی تمدن ہے۔جس نے دُنیا پر بڑا اثر کیا۔

لیکن حضرت ابراہیمؑ کا زمانہ اس سے بہت پہلے کا زمانہ ہے پھر ہند و فلسفہ ہے مگر اسکے متعلق جو تازہ ترین تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے وہ یہ کہ تین ہزار سال سے ہے اور حضرت ابراہیمؑ کا زمانہ اس سے پہلے کا زمانہ ہے۔حضرت ابراہیمؑ حضرت موسیٰؑ سے چھ سو سال قبل ہوتے ہیں۔کیونکہ حضرت ابراہیمؑ ان تاریخی زمانوں سے پہلے ہوتے ہیں۔ان کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ابراہیم کے ہاں کچھ مہمان آتے وہ مہمان کیسے تھے ایسے نہ تھے جو حضرت ابراہیمؑ کے قریبی رشتہ دار ہوتے۔نہ آپس میں قدیم واقفیت تھی۔کیونکہ لوگ اپنے رشتہ داروں کی خاطر تواضع اور مہمانداری کرتے ہیں،لیکن رشتہ داروں کی مہمانداری حقیقی مہمان نوازی نہیں ہوتی۔اس کا باعث آپس کے تعلقات ہوتے ہیں۔اگر یہ شخص ان کے ہاں جاتے۔تو وہ بھی اسی کی طرح خاطر کرینگے۔اس لیے یہ تو عوض معاوضہ کی صورت ہو گئی۔ایک بھائی اپنے دوسرے بھائی کی دعوت کرے۔یا ایک شخص اپنے ماں باپ کی خاطرداری کرے تو ہم اس کے متعلق یہی کہیں گے۔کہ وہ اس کا بھائی ہے۔اور وہ اس کے ماں باپ۔اور بھائی بھائیوں کی خاطرداری کیا ہی کرتے ہیں۔اور سعید اولاد ماں باپ کی خدمت گزاری کیا ہی کرتی ہے۔اسی طرح رشتہ داروں کی بھی لوگ مہمانداری کیا ہی کرتے ہیں۔اس کی عام طور پر یہ وجہ ہوتی ہے کہ ایک دوسرے پر احسان کا موقع ملے،لیکن ایسے مواقع پر مہمان نوازی کی حقیقت نہیں کھُلتی۔مگر ابراہیم علیہ السلام کے پاس جو لوگ آتے۔آپ ان کو جانتے پہچانتے نہ تھے۔بلکہ آپ ان سے بالکل ناواقف تھے مگر باوجود ناواقفیت کے کہ ابراہیمؑ کو انکا علم نہ تھا۔ابراہیمؑ نے انکو اپنا مہمان کیا اور ایسا مہمان بنایا کہ ابراہیمؑ کے ضیف مکرم معزز و محترم مہمان ہو گئے۔حضرت ابراہیمؑ وہ ہیں جنکو خدا نے معزز کیا تھا۔جن کی بزرگی کی دُنیا قائل ہے،لیکن چونکہ وہ مہمان تھے اور ابراہیمؑ نے انکا کامل احترام کیا۔اسلیئے وہ ضیف مکرم کہلاتے۔

اب حضرت ابراہیمؑ کا طریق بیان کرتا ہے۔اور اس ادب کو بتاتا ہے۔ جو آپ نے اپنے مہمانوں کا کیا۔جب مہمانوں کو بٹھا چکے تو فراغ الی اھلہ۔اپنے احترام کرنے کو پوشیدہ رکھا۔اور نہایت پوشیدگی اور خاموشی کے ساتھ اپنے اہل کی طرف چلے گئے۔لوگوں کا قاعدہ ہوتا ہے۔کہ جب کوئی مہمان آتے۔تو وہ اس کا احترام بھی کرتے ہیں۔مگر ساتھ ہی ایسی باتیں بھی کر جاتے ہیں۔جن سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ مہمان ہمارے اس رویہ کی قدر کرے۔مثلاً مہمان آیا۔تو کہیں گے آپ کے لیے دُودھ لاؤں۔

جاتے تیار کروں۔ انڈا اُبلواؤں۔ آپ کو فلاں چیز کی ضرورت ہوگی۔ پلاؤ تیار کراؤں۔ مرغ کے کباب بناؤں آپ تشریف رکھئیے۔ مَیں آپ کے کھانے کی فکر کرتا ہوں۔ وغیرہ وغیرہ۔ لانی تو ایک ہی چیز ہوتی ہے مگر اس فہرست کے گننے سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ کم از کم دو دو تین تین دفعہ مہمان بھی کہے کہ آپ کا احسان آپ کی مہربانی۔ لوگ اکرام تو کرتے ہیں۔ مگر اکرام ضیف کی حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ مگر حضرت ابراہیم نے یہ نہیں کیا بلکہ ان کو بٹھایا اور خاموشی اور خفیہ طریق سے اپنے اہل کی طرف گئے۔ راغ کے معنے ہوتے ہیں۔ خفیہ جانا۔ اور یہ لفظ شکاریوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ بعض لوگوں نے ان اصل معنوں کو چھوڑ کر اور معنے کئے ہیں مگر میرے نزدیک اصل معنوں سے شان بڑھتی ہے۔ پس جس طرح شکاری شکار پر جاتا ہے کہ کہیں شکار کو خبر نہ ہو جائے۔ اسی طرح ابراہیم بھی چپکے سے کھسک گئے اور فوراً ایک موٹا تازہ عجل (بچھڑا) ذبح کر کے اور کھانے کے لیے تیار کر کے لے آئے۔ مگر وہ تو عذاب کے لیے آتے تھے۔ تو ایسی حالت میں کھانا وانا کس کو سوجھتا ہے انہوں نے نہ کھایا۔

اس میں اختلاف ہے۔ کہ آیا وہ فرشتے تھے یا آدمی، اگر وہ فرشتے تھے تو انہوں نے کھانا ہی نہ تھا بہر حال وہ کوئی ہوں۔ حضرت ابراہیمؑ نے کھانا لا کر رکھا۔ مگر انہوں نے نہیں کھایا۔ ان کے کھانا نہ کھانے پر حضرت ابراہیمؑ نے بُرا نہیں منایا۔ جیسا کہ ایسے موقع پر بعض لوگ کہہ دیا کرتے ہیں۔ کہ ہم نے تو ان کے لیے یہ کچھ تیاری کی۔ پر انہوں نے قدر نہ کی۔ مگر ابراہیمؑ کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انہوں نے مہمانوں کے اس فعل سے بُرا نہیں منایا کہ انہوں نے کھانا کیوں نہ کھایا۔ بلکہ فرماتا ہے۔ فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً۔ اس آیت کے متعلق کہتے ہیں۔ کہ ابراہیم اپنے دل میں ڈر گئے۔ کہ کہیں یہ ڈاکو نہ ہوں مگر مَیں کہتا ہوں کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم کو خوف اس بات کا ہوا کہ کہیں مجھ سے مہمان نوازی میں تو کسی قسم کی کوتاہی نہیں ہوئی۔ ابراہیمؑ کے متعلق یہ کہنا کہ وہ مہمانوں کو ڈاکو سمجھ کر ڈر گئے غلطی ہے۔ کیونکہ ابراہیمؑ تو وہ ہیں۔ جو اکیلے بادشاہ کے جھگڑے سلجھانے کے لیے چلے جاتے ہیں۵۔ وہ ڈاکوؤں سے کیا ڈرتے۔ ان کو جو خوف ہوا۔ وہ یہی تھا کہ کہیں مہمان نوازی میں تو کسی قسم کی کوتاہی نہیں ہوئی۔ مہمان پر ناراض نہیں ہوتے۔ نفس کو الزام دیا کہ تجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہوگی۔ مگر مہمانوں نے جو کھانا نہیں کھایا تھا۔ اس راز کو خود انہوں نے ہی کھول دیا کہ ہم کس کام پر آتے ہیں۔

تو اکرام ضیف ایک فطری تقاضہ ہے اور شرعی حکم بھی ہے۔ اس لیے اب یہ محض فطری بات نہ رہی

---

۵ پیدائش

بلکہ شریعت کی تصدیق نے اس کو حکم ربّی بنا دیا۔ اس لیے کیا بلحاظ انسان بننے کے اور کیا بلحاظ مومن ہونے کے اکرام ضیف ضروری چیز ہے۔

ابھی تھوڑے دنوں میں اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ تو حضرت مسیح موعود کی جاری کی ہوئی سنت کے ماتحت قادیان میں مہمان آئیں گے۔ اور ان میں جماعت کے بھی لوگ ہوں گے اور غیر بھی۔ ہم اللہ کے فضل سے ہر سال مہمانوں کی تعداد کو روز افزوں دیکھتے ہیں۔ اس لیے اس دفعہ بھی انشاء اللہ پہلے سے زیادہ تعداد میں مہمان ہونگے۔ ان کی مہمان نوازی یہاں کے تمام لوگوں کے ذمہ ہوگی کیونکہ وہ چند آدمی جو لنگر کے منتظم ہیں۔ اس کام کو نہیں کر سکتے۔

اس لیے میں قادیان کے احباب کو نصیحت کرتا ہوں کہ کام بڑا ہے۔ اور ابھی سے اس کا انتظام ہونا چاہیئے۔ اگر ابھی سے آپ لوگوں نے اپنے آپ کو کام کے لیے پیش نہ کیا۔ تو بعد میں منتظموں کو موقع نکالنا مشکل ہوگا۔ اس لیے میں دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ احباب اپنے آپ کو پیش کریں۔ تاجر تو معذور ہیں۔ کیونکہ وہی ان کے کام کے دن ہوتے ہیں۔ اور اور لوگ بھی جو اس قسم کے کاموں پر متعین ہوتے ہیں۔ جن سے وہ علیحدہ نہیں ہو سکتے۔ باقی دوست اپنے کام چھوڑ کر بھی اپنے آپ کو مہمانوں کی خدمت کے لیے پیش کریں۔

یہ لوگ جو آئیں گے۔ وہ صرف مہمان ہی نہیں۔ شعائر اللہ میں داخل ہیں۔ اور شعائر اللہ کی حرمت و عزت مومن کا فرض ہے۔ ابھی زیادہ زمانہ نہیں گزرا اور اس وقت کو دیکھنے والے بہت لوگ موجود ہیں۔ جب قادیان کے چاروں طرف جنگل ہی جنگل تھے۔ حضرت اقدس کے وقت میں جلسہ سالانہ پر اتنے آدمی بھی نہیں آتے تھے۔ جتنے کہ اس وقت مسجد میں بیٹھے ہیں۔ حضرت صاحب نے اس وقت سے بہت عرصہ پہلے خدا سے خبر پا کر اطلاع دی۔ یأتون من کل فجّ عمیق و یاتیک من کل فجّ عمیق[1] تیرے پاس دُور دُور سے لوگ آئیں گے اور دُور دُور سے پہنچیں گے حتّٰی کہ جن راستوں پر سے آئیں گے ان پر گڑھے پڑ جائیں گے۔ سو خدا نے یہ نظارہ ہمیں اپنی آنکھوں سے دکھلایا۔ اگر پہلا نہیں دیکھا تو اب بھی یہ نظارہ نظر آتا ہے۔ اس لیے قادیان میں ہر ایک آنیوالا اس پیشگوئی کو پورا کرنیوالا ہوتا ہے۔ اسی لیے وہ ایک نشان ہوتا ہے اور شعائر اللہ میں داخل ہوتا ہے اسلیئے کیا بلحاظ مہمان ہونے کے اور کیا بلحاظ نشان الٰہی ہونے کے یہاں کی جماعت کو ان کی مہمان نوازی کی فکر کرنی چاہیئے۔

---

[1] تذکرہ ص۵۲

یہ مہمان نوازی نہیں کہ مہمان سے ایسے طریق سے سلوک ہو کہ جس سے ظاہر ہو کہ ہم اس پر احسان کرتے ہیں۔ مہمان کو اعزاز دینا چاہیئے۔ کیونکہ خدا نے مہمان کو عزت کا درجہ دیا ہے۔ اس لیے مہمان کے خوش کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ ابراہیم ابوالانبیاء ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِ امجد ہیں۔ اگر وہ مہمان فرشتہ بھی تھے۔ تاہم ابراہیم خدا کے نبی تھے۔ اور اگر وہ انسان تھے تو بھی حضرت ابراہیم سے نیچے تھے۔ مگر وہ مہمان ہو کر ابراہیم کے لیے مکرم ہو گئے۔ اس لیے کوئی مہمان ہو فطرت کے اقتضاء شریعت کے منشاء کے ماتحت مہمان کی عزت ہی کرنا چاہیئے۔ مہمان کی سخت بات کی برداشت کرنی چاہیئے بعض لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ مثلاً اب کھانا نہیں ملتا۔ دیر سے کیوں آئے۔ یا کھانے آتے ہو یا سننے بیسیوں قسم کی باتیں لوگ مہمان کا رتبہ نہ سمجھنے کی وجہ سے کہہ گزرتے ہیں۔ ذی وجاہت لوگوں کی عزت و توقیر ہی مہمان نوازی نہیں۔ کیونکہ یہ لوگ تو جہاں بھی جائیں گے ان کی عزت ہو گی۔ غرباء کی عزت کرنا حقیقی مہمان نوازی ہے۔ اگر کوئی غریب ماشکی ہے یا موچی ہے یا اور اسی قسم کا پیشہ ور شخص ہے۔ تو چاہیئے کہ اس کی عزت کی جائے۔ اور اگر اس کی عزت کی جائیگی۔ تو وہ خدا کے حکم کے ماتحت ہو گی۔ اگر امیر کی عزت کی جائیگی۔ تو اس کو اکرام ضیف نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ امراء کی عزت تو دُنیا دار بھی کیا کرتے ہیں۔

اور یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اکرام ضیف صرف کھانے پینے میں ہی نہیں ہوتا۔ بلکہ ہر قسم کے معاملات میں ہوتا ہے۔ امراء چونکہ اپنے گھروں میں اچھا کھانا کھاتے ہیں۔ اس لیے ان کے کھانوں میں اگر کسی عمدہ چیز کا اضافہ کیا جائے۔ تو ہونا چاہیئے۔ یہ بات حضرت اقدسؑ کے سامنے پیش ہوئی تھی۔ آپ نے فرمایا۔ کہ خدا نے بتایا ہے کھانے پینے میں ہی اکرام ضیف نہیں۔ عام برتاؤ اور ظاہری سلوک میں بھی یہ بات ہے۔ ایک غریب دال پر خوش ہو جاتا ہے۔ اگر اُس کو خندہ پیشانی کے ساتھ دی جائے۔ لیکن کسی کو کھانا عمدہ دیا جائے۔ مگر برتاؤ اچھا نہ ہو تو وہ اچھا کھانا اس کے دل کو خوش نہیں کر سکتا۔

پس احترام کرنے میں امیر غریب کی تمیز نہیں ہونی چاہیئے۔ سب کی عزت کی جائے۔ امیروں کی عزت کرنا عزت کرنا نہیں۔ کیونکہ وہ تو ہر جگہ اپنی عزت کرا لیتے ہیں۔ پس مَیں نصیحت کرتا ہوں۔ کہ آپ لوگوں میں سے جو دوست اپنے تئیں خدمت کے لیے پیش کر سکیں۔ وہ خود تکلیف اُٹھا کر کام کریں تاکہ خدا کے فضل کے وارث ہوں۔ اور اس فرض کو بھی ادا کریں جو خدا اور فطرت کی طرف سے آپ پر عائد ہوتا ہے۔ مَیں دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمام بھائیوں اور دوستوں کو اس خدمت کے ادا کرنے کی توفیق دے۔ آمین۔

جب دوسرے خُطبہ کے لیے حضور کھڑے ہوئے تو فرمایا کہ جلسہ سالانہ کے متعلق بعض اُمور کے تصفیہ کے لیے لوکل انجمن کا اجلاس جمعہ کے بعد ہوگا۔ انجمن والوں کو اب تک شکایت چلی جاتی ہے۔ کہ لوگ اس میں زیادہ حصہ نہیں لیتے۔ انہوں نے مجھ سے خواہش کی ہے کہ مَیں خطبہ جمعہ میں سفارش کردوں کہ آپ لوگ بعد جمعہ بیٹھیں اور جو تحریکات ہونگی۔ ان کو سُنیں۔ اور ان کے متعلق مشورہ وغیرہ دیں۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ جیساکہ مرکزی جماعت فیوض زیادہ حاصل کرتی ہے۔ اسی طرح مرکزی جماعت پر قیود بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ وہ قیود سے آزاد نہیں ہوسکتی۔ وہ مجھ سے سفارش چاہتے ہیں۔ مگر مَیں اس کو سفارش نہیں کہہ سکتا۔ یہ آپ لوگوں کا فرض ہے۔ پس مَیں آپ کو آپ کا فرض یاد دلاتا ہوں۔ اور کہتا ہوں کہ ہمارا جلسہ شعائر اللہ میں داخل ہے۔ اور اس کے لیے جتنے کام ہوں۔ ان میں بڑھ بڑھ کر حصہ لینا دین کی خدمت ہے۔"

(الفضل ۱۸، دسمبر ۱۹۱۹ء)